

فصل دوم

رسالتِ محمدی پر ایمان لانے کی دعوت

(۵)

حضور پر مجنون ہونے کا الزام | جو بے سرو پا الزامات کفارِ قریش حضور پر نثار ہے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ
معاذ اللہ مجنون ہیں۔ اسی معنی میں وہ آپ کو مسحور و سحر زدہ یا جادو کا مارا ہوا آدمی بھی کہتے تھے، اور یہی ان کے اس
قول کا مطلب بھی تھا کہ آپ پر جن کا اثر ہے۔ قرآن مجید میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ:

وَيَقُولُونَ آيِنَّا لَتَأْتِيَ كُودًا إِلَهَتِنَا
لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ - (الصُّفَّت - ۳۶)

اور وہ کہتے ہیں "کیا ہم اپنے معبودوں کو کو ایک

مجنون شاعر کی خاطر چھوڑ بیٹھیں؟"

دوسری جگہ ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ:

وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ
إِلَّا سَجَلًا مَّسْحُورًا (الفرقان ۸)

اور یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک جادو کے

مارے ہوئے آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو۔"

ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے:

أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ -

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس پر جن کا اثر ہے؟ یعنی جن

د المومنون - ۷۰) کے اثر سے یہ مجنون ہو گیا ہے۔

ان سارے اعتراضات کا مطلب ایک ہی تھا، کیونکہ اہل عرب کے نزدیک آدمی کی دیوانگی کے وجہ دو ہی

تھے۔ یا تو کسی نے جادو کر کے اُسے پاگل بنا دیا ہو، یا کوئی جن اس پر مستط ہو گیا ہو۔

قرآن مجید میں ان کے یہ اعتراضات دراصل یہ بتانے کے لیے نقل کیے گئے تھے کہ معترضین کس قدر عناد اور

تعصب میں اندھے ہو چکے ہیں۔ اُن کے جو اعتراضات یہاں اور دوسرے مقامات پر بیان کیے گئے ہیں

ان میں سے کوئی بھی اس لائق نہ تھا کہ اُس پر سنجیدگی کے ساتھ بحث کی جاتی۔ ان کا بس ذکر کر دینا ہی یہ بتانے کے

یہ کافی تھا کہ مخالفین کا دامن دلائل سے کس قدر خالی ہے اور وہ کیسی لچر اور پوپچ باتوں سے ایک مدتی تصدیق و توثیق کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے لوگو! یہ شرک جس پر تمہارے مذہب و تمدن کی بنیاد قائم ہے ایک غلط عقیدہ ہے اور اس کے غلط ہونے کے یہ اور یہ دلائل ہیں۔ جو اب میں شرک کے برحق ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں کی جاتی۔ بس آوازہ کس دیا جاتا ہے کہ یہ جادو کا مارا ہوا آدمی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کائنات کا سارا نظام تو حید پر چل رہا ہے اور یہ یہ حقائق ہیں جو اس کی شہادت دیتے ہیں۔ جو اب میں شور بلند ہوتا ہے جادو گر ہے۔ وہ کہتا ہے تم دنیا میں شتر بے مہار بنا کر نہید چھوڑ دیے گئے ہو بلکہ تمہیں اپنے رب کے پاس پٹ کر جانا ہے، دوسری زندگی میں اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اور اس حقیقت پر یہ اخلاقی اور یہ تاریخی اور یہ علمی و عقلی امور دلالت کر رہے ہیں۔ جو اب میں کہا جاتا ہے شاعر ہے۔ وہ کہتا ہے میں خدا کی طرف سے تمہارے لیے تعلیم حق لے کر آیا ہوں اور یہ ہے وہ تعلیم۔ جو اب میں اس تعلیم پر کوئی بحث و تنقید نہیں ہوتی۔ بس بلا ثبوت ایک الزام چسپاں کر دیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ کہیں سے نقل کر لیا گیا ہے۔ وہ اپنی رسالت کے ثبوت میں خدا کے معجزانہ کلام کو پیش کرتا ہے، خود اپنی زندگی اور اپنی سیرت و کردار کو پیش کرتا ہے اور اس اخلاقی انقلاب کو پیش کرتا ہے جو اس کے اثر سے اس کے پیروؤں کی زندگی میں ہورہا ہے۔ مگر مخالفت کرنے والے ان میں سے کسی چیز کو بھی نہیں دیکھتے۔ پوچھتے ہیں تو یہ پوچھتے ہیں کہ تم کھاتے کیوں ہو؟ بازاروں میں کیوں چلتے پھرتے ہو؟ تمہاری اُردل میں کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا ہے؟ تمہارے پاس کوئی خزانہ یا باغ کیوں نہیں ہے؟ یہ باتیں خود ہی بتا رہی تھیں کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور کون اس کے مقابلے میں عاجز آ کر بے ٹکی ہانک رہا ہے۔

اے نبی، ان سے کہو کہ میں تمہیں بس ایک بات

قُلْ إِنَّمَا أُعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ

کی نصیحت کرتا ہوں۔ خدا کے لیے تم اکیلے اکیلے اور دو دو

أَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ مِثْلِيَ وَفَرَادَى

مل کر اپنا دماغ لڑاؤ اور سوچو، تمہارے رفیق میں آخر

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ

ایسی کونسی بات ہے جو جنوں کی ہو؟ وہ تو ایک سخت

جِنَّةٍ طَرَانٌ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ

عذاب کی آمد سے پہلے تم کو متنبہ کرنے والا ہے۔

يَدِي عَذَابٍ شَدِيدٍ (سبا-۱۲۶)

یعنی اغراض اور خواہشات اور تعصبات سے پاک ہو کر خالصتہً بشد غور کرو۔ ہر شخص الگ الگ بھی نیک نیتی

کے ساتھ سوچے اور دو دو چار چار آدمی سر جوڑ کر بھی بے لاگ طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ بحث کر کے تحقیق

کریں کہ آخر وہ کیا بات ہے جس کی بنا پر آج تم اس شخص کو مجنون ٹھہرا رہے ہو جسے کل تک تم اپنے درمیان نہایت

دانا آدمی سمجھتے تھے؟ آخر نبوت سے تھوڑی ہی مدت پہلے کا تو واقعہ تھا کہ تعمیر کعبہ کے بعد حجر اسود نصب کرنے کے مسئلے پر جب قبائل قریش باہم لڑ پڑے تھے تو تم ہی لوگوں نے بالاتفاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تسلیم کیا تھا اور انہوں نے ایسے طریقے سے اس جھگڑے کو چکا یا تھا جس پر تم سب مطمئن ہو گئے تھے۔ جس شخص کی عقل و دانش کا یہ تجربہ تمہاری ساری قوم کو ہو چکا ہے، اب کیا بات ایسی ہو گئی کہ تم اسے مجنون کہنے لگے؟ ہٹ دھرمی اور ضد کی بات تو دوسری ہے، مگر کیا واقعی تم اپنے دلوں میں بھی وہی کچھ سمجھتے ہو جو اپنی زبانوں سے کہتے ہو؟ وہ تمہیں ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے خبردار کر رہا ہے۔ کیا یہی وہ تصور ہے جس کی بنا پر تم اسے جنون کا مرتب ٹھہراتے ہو؟ کیا تمہارے نزدیک عقلمند وہ ہے جو تمہیں تباہی کے راستے پر جاتے دیکھ کر کہے کہ شاہ باش، بہت اچھے جا رہے ہو؟ اور مجنون وہ ہے جو تمہیں بڑا وقت آنے سے پہلے خبردار کر دے اور فساد کی جگہ صلاح کی راہ بتائے؟

أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ (المومنون - ۷۰) کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص کو جنون ہے؟

یعنی کیا ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ واقعی یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون سمجھتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ اس کی اصل وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ زبان سے چاہے وہ کچھ ہی کہتے رہیں، دلوں میں تو وہ ان کی دانائی و زیرکی کے قائل ہیں۔ علاوہ بریں ایک پاگل اور ایک ہوشمند آدمی کا فرق کوئی ایسا چھپا ہوا تو نہیں ہوتا کہ دونوں میں تمیز کرنا مشکل ہو۔ آخر ایک ہٹ دھرم اور بے حیا آدمی کے سوا کون اس کلام کو سن کر یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی دیوانے کا کلام ہے؟ اور اس شخص کی زندگی کو دیکھ کر کون یہ رائے ظاہر کر سکتا ہے کہ یہ کسی مغبوط الحواس آدمی کی زندگی ہے؟ بڑا ہی عجیب ہے وہ جنون دیا مشرقین مغرب کی بکواس کے مطابق مرگی کا دورہ، جس میں آدمی کی زبان سے قرآن جیسا کلام نکلے اور جس میں آدمی ایک تخریک کی ایسی کامیاب رہنمائی کرے کہ اپنے ہی ملک کی نہیں، دنیا بھر کی قسمت بدل ڈالے۔

مَا أَنْتَ بِدُعْمَةٍ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ - اے نبی، تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں

وَأَنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ - ہو۔ اور یقیناً تمہارے لیے ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ

وَأِنَّكَ لَعَلَىٰ سُلْطٰنٍ عَظِيمٍ - کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ اور بیشک تم اخلاق کے بڑے

مرتبے پر ہو۔ (القلم - ۲ تا ۴)

اس مقام پر یہ بات نگاہ میں رہنی چاہیے کہ یہاں خطاب بظاہر تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخن، لیکن

اصل مقصود کفار کو اُن کی تہمت کا جواب دینا تھا۔ لہذا کسی شخص کو یہ شبہ نہ ہو کہ یہ آیت حضور کو یہ اطمینان دلانے کے لیے نازل ہوئی تھی کہ آپ مجنون نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضور کو اپنے متعلق تو ایسا کوئی شبہ نہ تھا کہ اُسے دُور کرنے کے لیے آپ کو یہ اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی۔ مگر عارف سے یہ کہنا تھا کہ تم جس قرآن کی وجہ سے اُس کے پیش کرنے والے کو مجنون کہہ رہے ہو وہی تمہارے اس الزام کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔ البتہ حضور کو جس بات کی تسلی دینی گئی تھی وہ یہ تھی کہ آپ کے لیے بے حساب اور لازوال اجر ہے کیونکہ آپ خلق خدا کی ہدایت کے لیے جو کوششیں کر رہے ہیں اُن کے جواب میں آپ کو ایسی ایسی اذیت ناک باتیں سننی پڑ رہی ہیں اور پھر بھی آپ اپنے اس فرض کو انجام دیے چلے جا رہے ہیں۔

پھر یہ بتایا گیا کہ آپ کے بلند اخلاق اس بات کا صریح ثبوت ہیں کہ کفار آپ پر دیوانگی کی جو تہمت رکھ رہے ہیں وہ سراسر جھوٹی ہے، کیونکہ اخلاق کی بلندی اور دیوانگی، دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ دیوانہ وہ شخص ہوتا ہے جس کا ذہنی توازن بگڑا ہوا ہو اور جس کے مزاج میں اعتدال باقی نہ رہا ہو۔ اس کے برعکس آدمی کے بلند اخلاق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ نہایت صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت انسان ہے اور اُس کا ذہن اور مزاج غایت درجہ متوازن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق جیسے کچھ تھے، اہل مکہ اُن سے ناواقف نہ تھے۔ اس لیے اُن کی طرف محض اشارہ کر دینا ہی اس بات کے لیے کافی تھا کہ مکہ کا ہر معقول آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ وہ لوگ کس قدر بے شرم ہیں جو ایسے بلند اخلاق آدمی کو مجنون کہہ رہے ہیں۔ اُن کی یہ یہودگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں بلکہ خود اُن کے لیے نقصان دہ تھی کہ مخالفت کے جوش میں پاگل ہو کر وہ آپ کے متعلق ایسی بات کہہ رہے تھے جسے کوئی ذمی فہم آدمی قابل تصور نہ مان سکتا تھا۔ یہی معاملہ اُن مدعیان علم و تحقیق کا بھی ہے جو اس زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مرگی اور جنون کی تہمت رکھ رہے ہیں۔ قرآن پاک دنیا میں ہر جگہ مل سکتا ہے، اور حضور کی سیرت بھی اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ لکھی ہوئی موجود ہے۔ ہر شخص خود دیکھ سکتا ہے کہ جو لوگ اس بے مثل کتاب کے پیش کرنے والے اور ایسے بلند اخلاق رکھنے والے انسان کو ذہنی مریض قرار دیتے ہیں وہ عداوت کے اندھے جذبے سے مغلوب ہو کر کیسی لغوبات کہہ رہے ہیں۔

یہاں لوگوں نے کبھی سوچا نہیں؟ ان کے رفیق پر

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا يَصَاحِبُهُمْ

جنون کا اثر نہیں ہے۔ وہ ایک صاف صاف خبر دار

مِنْ رِجْتِهِ ط إِنَّ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ

مَبِیِّنٌ - (الاعراف - ۱۸۴) کر دینے والا ہے۔

رفیق سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ مکہ ہی کے لوگوں میں پیدا ہوئے، انہی کے درمیان ہے بسے، بچے سے جوان اور جوان سے بوڑھے ہوئے۔ نبوت سے پہلے ساری قوم آپ کو ایک نہایت سلیم الطبع اور صحیح الدماغ آدمی کی حیثیت سے جانتی تھی۔ نبوت کے بعد جب آپ نے خدا کا پیغام پہنچانا شروع کیا تو یہ ایک آپ کو مجنون کہنے لگی۔ ظاہر ہے کہ یہ حکم جنون ان باتوں پر نہ تھا جو آپ نبی ہونے سے پہلے کرتے تھے۔ بلکہ صرف انہی باتوں پر لگایا جا رہا تھا جن کی آپ نے نبی ہونے کے بعد تبلیغ شروع کی۔ اسی وجہ سے فرمایا جا رہا ہے کہ ان لوگوں نے کبھی سوچا بھی ہے؟ آخر ان باتوں میں سے کون سی بات جنون کی ہے؟ کونسی بات بے ہنگامی، بے اصل اور غیر معقول ہے؟ اگر یہ آسمان و زمین کے نظام پر غور کرتے یا خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کو بھی بنظر تامل دیکھتے تو انہیں خود معلوم ہو جاتا کہ شرک کی تردید، توحید کے اثبات، بندگی رب کی دعوت اور انسان کی ذمہ داری جو اب وہی کے بارے میں جو کچھ ان کا بھائی انہیں سمجھا رہا ہے اس کی صداقت پر یہ پورا نظام کائنات اور خلق اللہ کا ذرہ ذرہ شہادت سے رہا ہے۔

شاعری کا الزام | کفار قریش حضور پر شاعر ہونے کا الزام بھی رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک شاعر مجنون کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا:

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ۔ اور شعراء کے پیچھے تو بھکے ہوئے لوگ چلا کرتے

(الشعراء آیت ۲۲۴) ہیں۔

یعنی شاعروں کے ساتھ لگے رہنے والے لوگ اپنے اخلاق، عادات و خصائص اور افتاد مزاج میں ان لوگوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمہیں نظر آتے ہیں۔ دونوں گروہوں کا فرق ایسا گھلا ہوا فرق ہے کہ ایک نظر دیکھ کر ہی آدمی جان سکتا ہے کہ یہ کیسے لوگ ہیں اور وہ کیسے۔ ایک طرف انتہائی سنجیدگی، تہذیب، شرافت، راستبازی اور خدا ترسی ہے۔ بات بات میں ذمہ داری کا احساس ہے۔ بتاؤ وہ لوگوں کے حقوق کا پاس و لحاظ ہے۔ معاملات میں کمال درجہ کی دیانت و امانت ہے۔ اور زبان جب کھلتی ہے خیر ہی کے لیکھلتی ہے، شر کا کلمہ اس سے کبھی دا نہیں ہوتا۔ سب سے زیادہ یہ کہ ان لوگوں کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے ایک بلند اور پاکیزہ نصب العین ہے جس کی دُھن میں بی رات دن لگے رہتے ہیں اور ان کی ساری زندگی ایک مقصد عظیم کے لیے وقف ہے۔ دوسری طرف حال یہ ہے کہ کہیں عشق بازی اور شراب نوشی کے مضامین بیان ہو رہے ہیں اور

حاضرین اچھل اچھل کر ان پر داد دے رہے ہیں۔ کہیں کسی نرین بازاری یا کسی گھر کی بہو بیٹی کا حسن مودع سخن ہے اور سننے والے اس پر مزے لے رہے ہیں۔ کہیں جنسی مواصلت کی حکایت بیان ہو رہی ہے اور پورے مجمع پر شہوانیت کا بھوت مسلط ہے۔ کہیں ہزل بکا جا رہا ہے یا مسخرہ پن کی باتیں ہو رہی ہیں اور مجمع میں ہر طرف ہٹھے لگ رہے ہیں۔ کہیں کسی کی بجا آڑائی جا رہی ہے اور لوگ اس سے لطف لے رہے ہیں۔ کہیں کسی کی بے جا تعریف ہو رہی ہے اور اُس پر تحسین و آفرین کے ڈنگرے برسائے جا رہے ہیں۔ اور کہیں کسی کے خلاف نفرت، عداوت اور انتقام کے جذبات بھڑکائے جا رہے ہیں اور سننے والوں کے لوں میں ان سے آگ سی لگی جاتی ہے۔ ان مجلسوں میں شاعروں کے کلام سننے کے لیے جو بھٹھے کے ٹھٹھے لگتے ہیں اور بڑے بڑے شاعروں کے پیچھے جو لوگ لگے پھرتے ہیں ان کو دیکھ کر کوئی شخص یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ اخلاق کی بندشوں سے آزاد، جذبات و خواہشات کی زد میں بہنے والے، اور لطف و لذت کے پرستار، نیم حیوان قسم کے لوگ ہیں جن کے ذہن کو کبھی یہ خیال چھو بھی نہیں گیا ہے کہ دنیا میں انسان کے لیے زندگی کا کوئی بند مقصد اور نصب العین بھی ہو سکتا ہے۔ ان دونوں گروہوں کا کھلا کھلا فرق و امتیاز اگر کسی کو نظر نہیں آتا تو وہ اندھا ہے، اور اگر سب کچھ دیکھ کر بھی کوئی محض حق کو نیچا دکھانے کے لیے ایمان نکل کر یہ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گرد جمع ہونے والے لوگ اسی قبیل کے ہیں جیسے شعرا اور ان کے پیچھے لگے رہنے والے لوگ ہوتے ہیں، تو وہ جھوٹ بولنے میں بے حیائی کی ساری حدیں پار کر گیا ہے۔

آلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ
يَهَيَّمُونَ - (الشعراء آیت ۲۲۵)

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ (یعنی شعراء) ہر وادی میں
بھٹکتے ہیں؟

یعنی کوئی ایک منتخب راہ نہیں ہے جس پر وہ سوچتے اور اپنی قوت گویائی صرف کرتے ہوں۔ بلکہ ان کا تو سن فکر ایک بے لگام گھوڑے کی طرح ہر وادی میں بھٹکتا پھرتا ہے اور جذبات و خواہشات اور اغراض و مقاصد کی ہر نئی روانگی کی زبان سے ایک نیا مضمون ادا کرتا ہے جسے سوچنے اور بیان کرنے میں اس بات کا کوئی لحاظ سر سے ہوتا ہی نہیں کہ یہ بات حق اور صدق بھی ہے؛ کبھی ایک بہرا ٹھی تو حکمت و نوعیت کی باتیں ہونے لگیں اور کبھی دوسری بہرائی تو اسی زبان سے انتہائی گندے سفلی جذبات کا ترشح شروع ہو گیا۔ کبھی کسی سے خوش ہوئے تو اسے آسمان پر چڑھا دیا اور کبھی بگڑ بیٹھے تو اسی کو تخت الشری میں جاگرایا۔ ایک بخیل کو حاتم اور ایک بزدل کو رستم و اسفندیار پر فضیلت دینے میں انہیں ذرا تامل نہیں ہوتا اگر اس سے کوئی غرض وابستہ ہو۔ اس کے برعکس کسی سے رنج پہنچ جائے تو اس کی پاک زندگی پر دھبہ لگانے اور اس کی عزت پر خاک پھینکنے میں، بلکہ اس کے نسب

پر طعن کرنے میں بھی ان کو شرم محسوس نہیں ہوتی۔ خدا پرستی اور دہریت، مادہ پرستی اور روحانیت، حسن اخلاق اور بد اخلاقی، پاکیزگی اور گندگی، سنجیدگی اور ہزل، قصیدہ اور ہجو سب کچھ ایک ہی شاعر کے کلام میں آپ کو پہلو بہ پہلو مل جائے گا۔ شعراء کی ان معروف خصوصیات سے جو شخص بھی واقف تھا اس کے دماغ میں یہ بے تکی بات کیسے اتر سکتی تھی کہ اس قرآن کے لانے والے پر شاعری کی تہمت رکھی جائے جس کی تقریر جچی ٹلی، جس کی بات دو ٹوک، جس کی راہ بالکل واضح اور متعین ہے، اور جس نے حق اور راستی اور بھلائی کی دعوت سے ہٹ کر کبھی ایک کلمہ بھی زبان سے نہیں نکالا ہے۔

قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ آپ کے مزاج کو تو شاعری کے ساتھ سرے سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (یس آیت ۱۶) ”ہم نے اُس کو شعر نہیں سکھایا ہے نہ یہ اس کے کرنے کا کام ہے۔“ یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ جو لوگ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے وہ سب اسے جانتے تھے۔ معتبر روایات میں آیا ہے کہ کوئی شعر پورا حضور کو یاد نہ تھا۔ دورانِ گفتگو میں کبھی کسی شاعر کا کوئی اچھا شعر زبان مبارک پر آتا بھی تو غیر موزوں پڑھ جاتے تھے یا اس میں الفاظ کا الٹ پھیر ہو جاتا تھا۔ حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ دورانِ تقریر میں آپ نے شاعر کا مصرع یوں نقل کیا۔

كفى بالاسلام والشيب للمرء ناهيا

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اصل مصرع یوں ہے:

كفى الشيب والاسلام للمرء ناهيا

ایک مرتبہ عباس بن مروان اس سُلّی سے آپ نے پوچھا کیا تم ہی نے یہ شعر کہا ہے:

اتجعل نهبي ونهب العبيد وبين الاقرع وعيينه

انہوں نے عرض کیا آخری فقرہ یوں نہیں ہے بلکہ یوں ہے، بين عيينة والاقرع۔ آپ نے

فرمایا معنی میں تو دونوں یکساں ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ حضور کبھی اشعار بھی اپنی تقریروں میں استعمال فرماتے تھے؟ انہوں نے فرمایا شعر سے بڑھ کر آپ کو کسی چیز سے نفرت نہ تھی۔ البتہ کبھی کبھار بنی قیس کے شاعر کا ایک شعر پڑھتے تھے مگر اول کو آخر اور آخر کو اول پڑھ جاتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ عرض کرتے یا رسول اللہ یوں نہیں بلکہ یوں ہے تو

آپ فرماتے "بھائی میں شاعر نہیں ہوں اور نہ شعر گوئی میرے کرنے کا کام ہے۔" جس قسم کے مضامین سے عرب کی شاعری لبریز تھی وہ یا تو شہوانیت اور عشق بازی کے مضامین تھے، یا شراب نوشی کے، یا قبائلی منافرت اور جنگ و جدل کے، یا نسلی فخر و غرور کے۔ نیکی اور بھلائی کی باتیں ان میں بہت ہی کم پائی جاتی تھیں۔ پھر جھوٹ، مبالغہ، بہتان، ہجو، بے جا تعریف، ڈینگیں، لعن، پھبتیاں اور مشرکانہ خرافات تو اس شاعری کی رگ و گ میں پیوست تھیں۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اس شاعری کے متعلق یہ تھی کہ لان یمتلی مجوف احدکم قیحا خیر لہ من ان یمتلی شعرا۔ "تم میں سے کسی شخص کا خول پیپ سے بھر جانا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرے۔" تاہم جس شعر میں کوئی اچھی بات ہوتی تھی آپ اس کی داد بھی دیتے تھے اور آپ کا ارشاد تھا کہ ان من الشعر لحکمة۔ "بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں۔" امیہ بن ابی الصلت کا کلام سن کر آپ نے فرمایا اہل من شعرا د کفر قلبہ۔ "اس کا شعر مومن ہے مگر اس کا دل کافر ہے۔" ایک مرتبہ ایک صحابی نے سوا کے قریب عمدہ عمدہ اشعار آپ کو سنائے اور آپ فرماتے گئے ہیہ "اور سناؤ۔"

اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔

وَأَتَّهُمْ يَفْعَلُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ

الشعراء - آیت ۲۲۶

یہ شاعروں کی ایک اور خصوصیت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی عین منہ تھی۔ حضور کے متعلق آپ کا ہر جاننے والا جانتا تھا کہ آپ جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور جو کرتے ہیں وہی کہتے ہیں۔ آپ کے قول اور فعل کی مطابقت ایسی صریح حقیقت تھی جس سے آپ کے گرد و پیش کے معاشرے میں کوئی انکار نہ کر سکتا تھا۔ اس کے برعکس شعراء کے متعلق کس کو معلوم نہ تھا کہ ان کے ہاں کہنے کی باتیں اور ہیں اور کرنے کی اور؟ سخاوت کا مفہوم اس زور شور سے بیان کریں گے کہ آدمی سمجھے کہ شاید ان سے بڑھ کر زیادہ دل کوئی نہ ہوگا، مگر عمل میں کوئی دیکھے تو معلوم ہوگا کہ سخت بخمیل ہیں۔ بہادری کی باتیں کریں گے مگر خود بزدل ہوں گے۔ بے نیازی اور قناعت اور خود داری کے مضامین بانڈھیں گے مگر خود حرص و طمع میں ذلت کی آخری حد کو پار کر جائیں گے۔ دوسروں کی ادنیٰ کمزوریوں پر گرفت کریں گے مگر خود بدترین کمزوریوں میں مبتلا ہوں گے۔

مخالفین کے الزامات کا تسناؤ اور اس پر قرآن کی گرفت | پچھلے صفحات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کفار مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر متضاد الزامات نکالتے تھے اور کوئی ایک الزام نعتیں کے ساتھ نبیوں نے

کبھی نہیں لگایا۔ قرآن مجید میں ان کی اسی کمزوری پر گرفت کر کے ان کا جھوٹا ہونا ثابت کیا گیا۔

قَدْ كَرِهَ اللَّهُ لَكَ ذَٰلِكَ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۗ أَلَمْ يَكْفُرْ لَكَ كَافِرُونَ ۗ
 يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۗ قُمْ فَأَنْذِرْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۗ
 قُلْ تَرَىٰ لَهُمْ لُحُوفًا يُدْعَوْنَ إِلَىٰ سَبِيلِ اللَّهِ وَبِالْحَقِّ يُدْعَوْنَ ۚ لَئِنْ كَانُوا يَشْعُرُونَ
 أَنَّهُمْ مُخْرَجُونَ مِنْ دَارِهِمْ وَمِنْ دَارِهِمْ أُخْرِجُوا لِيُجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ
 أَنَّهُمْ يَكُونُونَ آيَاتٍ ۚ
 قُلْ تَرَىٰ لَهُمْ لُحُوفًا يُدْعَوْنَ إِلَىٰ سَبِيلِ اللَّهِ وَبِالْحَقِّ يُدْعَوْنَ ۚ لَئِنْ كَانُوا يَشْعُرُونَ
 أَنَّهُمْ مُخْرَجُونَ مِنْ دَارِهِمْ وَمِنْ دَارِهِمْ أُخْرِجُوا لِيُجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ
 أَنَّهُمْ يَكُونُونَ آيَاتٍ ۚ
 قُلْ تَرَىٰ لَهُمْ لُحُوفًا يُدْعَوْنَ إِلَىٰ سَبِيلِ اللَّهِ وَبِالْحَقِّ يُدْعَوْنَ ۚ لَئِنْ كَانُوا يَشْعُرُونَ
 أَنَّهُمْ مُخْرَجُونَ مِنْ دَارِهِمْ وَمِنْ دَارِهِمْ أُخْرِجُوا لِيُجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ
 أَنَّهُمْ يَكُونُونَ آيَاتٍ ۚ

عناد میں حد سے گزر گئے ہیں۔

طٰعُوْنَ ۗ (الطّٰور - ۲۹ تا ۳۲)

ان چند فقروں میں مخالفین کے سارے پروپیگنڈے کی ہوان نکال کر انہیں بالکل بے نقاب کر دیا گیا ہے۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قریش کے سردار اور شیوخ بڑے عقلمند بنے پھرتے ہیں، مگر کیا ان کی عقل یہی کہتی ہے کہ جو شخص شاعر نہیں ہے اسے شاعر کہو، جسے ساری قوم ایک دانا آدمی کی حیثیت سے جانتی ہے اسے مجنون کہو، اور جس شخص کا کہانت سے کوئی دور دراز کا تعلق بھی نہیں ہے اسے خواہ مخواہ کاہن قرار دو۔ پھر اگر عقل ہی کی بنا پر یہ لوگ حکم لگانے تو کوئی ایک حکم لگاتے۔ بہت سے متضاد حکم تو ایک ساتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ ایک شخص آخر بیک وقت شاعر، مجنون اور کاہن کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ مجنون ہے تو نہ کاہن ہو سکتا ہے نہ شاعر۔ کاہن ہے تو شاعر نہیں ہو سکتا اور شاعر ہے تو کاہن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شعر کی زبان اور اس کے موضوعات بحث الگ ہوتے ہیں اور کہانت کی زبان اور اس کے مضامین الگ۔ ایک ہی کلام کو بیک وقت شعر بھی کہنا اور کہانت بھی قرار دینا کسی ایسے آدمی کا کام نہیں ہو سکتا جو شعر اور کہانت کا فرق جانتا ہو۔ پس یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں یہ متضاد باتیں عقل سے نہیں، بلکہ سراسر ضد اور ہٹ دھرمی سے کی جا رہی ہیں، اور قوم کے یہ بڑے بڑے سردار عناد کے جوش میں اندھے ہو کر محض بے سرو پا الزامات لگا رہے ہیں جنہیں کوئی سنجیدہ انسان قابل اعتنا نہیں سمجھ سکتا۔

أَنْظُرْ كَيْفَ صَرَ بُولَاكَ الْأَمْثَالَ
 فَضَلُّوا أَفَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۚ
 اے نبی، دیکھو کیسی باتیں ہیں جو یہ لوگ تم پر چھانٹتے
 ہیں۔ یہ بھٹک گئے ہیں۔ انہیں راستہ نہیں ملتا۔

(بنی اسرائیل - ۱۴۸)

یعنی یہ تمہارے متعلق کوئی ایک رائے ظاہر نہیں کرتے بلکہ مختلف اوقات میں بالکل مختلف اور متضاد باتیں کہتے

ہیں۔ کبھی کہتے ہیں تم خود جادوگر ہو، کبھی کہتے ہیں تم پر کسی اور نے جادو کر دیا ہے، کبھی کہتے ہیں تم شاعر ہو، کبھی کہتے ہیں تم مجنون ہو اور کبھی یہ کہہ کاہن ہو۔ ان کی یہ متضاد باتیں خود اس بات کا ثبوت ہیں کہ حقیقت ان کو معلوم نہیں ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ آئے دن ایک نئی بات چھانٹنے کے بجائے کوئی ایک ہی قطعی رائے ظاہر کرتے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے کسی قول پر بھی مطمئن نہیں ہیں۔ ایک الزام رکھتے ہیں، پھر آپ ہی محسوس کرتے ہیں کہ یہ چسپاں نہیں ہوتا، اس کے بعد دوسرا الزام لگاتے ہیں اور اسے بھی لگتا ہوا نہ پا کہ ایک تیسرا الزام تصنیف کرتے ہیں۔ اس طرح ان کا ہر نیا الزام ان کے پہلے الزام کی تردید کر دیتا ہے اور اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ صداقت سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے، محض عداوت کی بنا پر ایک سے ایک بڑھ کر جھوٹ گھڑے جا رہے ہیں۔

بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ

فَهُمْ فِي آيٍ مَّرِيَّةٍ -

آیا اسی وقت اسے صاف جھٹلا دیا۔ اسی وجہ سے اب یہ
الجبھن میں پڑے ہوئے ہیں۔ (رقی - ۵)

اس مختصر فقرے میں بھی ایک بہت بڑا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے صرف تعجب کرنے اور بعد از عقل ٹھیرانے پر ہی اکتفا نہ کیا، بلکہ جس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوتِ حق پیش کی اسی وقت بلا تامل اسے قطعی جھوٹ قرار دے دیا۔ اس کا نتیجہ لازماً یہ ہونا تھا اور یہی ہوا کہ انہیں اس دعوت اور اس کے پیش کرنے والے رسول کے معاملہ میں کسی ایک موقف پر قرار نہیں ہے۔ کبھی اُس کو شاعر کہتے ہیں تو کبھی کاہن اور کبھی مجنون۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ کسی نے اس پر جادو کر دیا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ اپنی بڑائی قائم کرنے کے لیے خود یہ چیز بنا لیا ہے، اور کبھی یہ الزام تراشتے ہیں کہ اس کے پس پشت کچھ دوسرے لوگ ہیں جو یہ کلام گھڑ گھڑ کر اسے دیتے ہیں۔ یہ متضاد باتیں خود ظاہر کرتی ہیں کہ یہ لوگ اپنے موقف میں بالکل الجھ کر رہ گئے ہیں۔ اس الجبھن میں یہ ہرگز نہ پڑتے اگر جلد بازی کر کے نبی کو پہلے ہی قدم پر جھٹلا نہ دیتے اور بلا فکر و تامل ایک پیشگی فیصلہ صادر کر دینے سے پہلے سنجیدگی کے ساتھ غور کرتے کہ یہ دعوت کون پیش کر رہا ہے، کیا بات کہہ رہا ہے اور اس کے لیے دلیل کیا دے رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ شخص ان کے لیے اجنبی نہ تھا۔ کہیں سے اچانک ان کے درمیان نہ آکھڑا ہوا تھا۔ ان کی اپنی ہی قوم کا فرد تھا۔ ان کا اپنا دیکھا بھالا آدمی تھا۔ یہ اُس کی سیرت و کردار اور اُس کی قابلیت سے ناواقف نہ تھے۔ ایسے آدمی کی طرف سے جب ایک بات پیش کی گئی تھی تو چاہے اسے فوراً قبول نہ کر لیا جاتا، مگر وہ اس کی مستحق بھی تو نہ تھی کہ سنتے ہی اسے رد کر دیا جاتا۔ پھر وہ بات بے دلیل بھی نہ تھی۔ وہ

اس کے لیے دلائل پیش کر رہا تھا۔ چاہیے تھا کہ اُس کے دلائل کھلے کانوں سے سُننے جاتے اور تعصب کے بغیر ان کو جانچ کر دیکھا جاتا کہ وہ کہاں تک معقول ہیں۔ لیکن یہ روش اختیار کرنے کے بجائے جب ان لوگوں نے ضد میں آکر ابتداء ہی میں اُسے مجھٹلا دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک حقیقت تک پہنچنے کا دروازہ تو انہوں نے اپنے لیے خود بند کر لیا اور ہر طرف بھٹکتے پھرنے کے بہت سے راستے کھول لیے۔ اب یہ اپنی ابتدائی غلطی کو نباہنے کے لیے دُش متضاد باتیں تو بنا سکتے ہیں، مگر اس ایک بات کو سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں کہ نبی سچا بھی ہو سکتا ہے اور اُس کی پیش کردہ بات حقیقت بھی ہو سکتی ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ إِنَّا تَتَّخِذُ وَنَكَ إِلَّا
هُنَّ وَأَ - أَهَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ
سَأُولًا - إِنَّا كَادَ لِيُضِلَّنَا عَنْ
الْإِهْتِمَاءِ لَوْلَا أَنَّا صَبَرْنَا عَلَيْهَا -
العنقود - ۴۲-۴۱

لے ہی، یہ لوگ جب تمہیں دیکھتے ہیں تو بس تمہارا
مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ (کہتے ہیں) کیا یہ شخص ہے جسے
خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ اس نے تو ہمیں گمراہ کر
کے اپنے معبودوں سے برگشتہ ہی کر دیا ہوتا اگر ہم ان کی
عقیدت پر ہم نہ گئے ہوتے۔“

کفار کی یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ پہلی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو حقیر سمجھ رہے ہیں اور مذاق اڑا کر آپ کی قدر گرانا چاہتے ہیں، گویا اُن کے نزدیک آنحضرت نے اپنی حیثیت سے بہت اونچا دعویٰ کر دیا تھا۔ دوسری بات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کے دلائل کی قوت اور آپ کی شخصیت کا لوہا مان رہے ہیں اور بے ساختہ اعتراف کرتے ہیں کہ اگر ہم تعصب اور ہٹ دھرمی سے کام لے کر اپنے خداؤں کی بندگی پر ہم نہ گئے ہوتے تو یہ شخص ہمارے قدم اکھاڑ چکا ہوتا۔ یہ متضاد باتیں خود بتا رہی ہیں کہ اسلامی تحریک نے ان لوگوں کو کس قدر بوکھلا دیا تھا۔ کھسیانے ہو کر مذاق بھی اڑاتے تھے تو احساس کمتری بلا راہہ ان کی زبان سے وہ باتیں نکلا دینا تھا جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ دلوں میں وہ اس طاقت سے کس قدر مرعوب ہیں۔

طرح طرح کے معجزات کا مطالبہ | الزامات کی بوچھاڑ کرنے کے ساتھ ساتھ کفار قریش بار بار آپ سے طرح طرح کے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن میں جگہ جگہ ان مطالبات کا ذکر آیا ہے اور ان کا جواب دیا گیا ہے۔

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَنْزِلَ عَلَيْنَا
مِنَ السَّمَاءِ مَاءٌ أَوْ تَكُونَ

اور انہوں نے کہا ”ہم تیری بات نہ مانیں گے
جب تک کہ تو ہمارے لیے زمین کو بچھاڑ کر ایک چشمہ

لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ تَّحِيْلٍ وَوَعْدٍ
فَتَقْصِرَ الْآلَاءَ خَلَّلَهَا تَجِيْرًا
أَوْ تَسْفِطَ السَّمَاءَ كَمَا سَرَ عَمَّتْ
عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ تَأْتِي بِلِهْدٍ وَ الْمَلِيكَةِ
قَبِيْلًا ۚ أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ
سُرْحَفٍ أَوْ تَرْقِي فِي السَّمَاءِ ۗ
لَنْ نُؤْمِنَ بِوَقْعِكَ حَتَّى تَنْزِلَ
عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُؤُكَ ۗ قُلْ سُبْحَانَ
سَيِّئِي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مَّرْسُولًا
دینی اسرائیل - ۹۰ تا ۹۳

جاری نہ کر دے۔ یا تیرے لیے کھجوروں اور انگوروں کا
ایک باغ پیدا ہو اور تو اس میں نہریں رواں کر دے۔
یا تو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرا دے
جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے۔ یا خدا اور فرشتوں کو رو در رو
ہمارے سامنے لے آئے۔ یا تیرے لیے سونے کا ایک گھر
بن جائے۔ یا تو آسمان پر چڑھ جائے، اور تیرے پڑھنے کا
بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک تو ہمارے اوپر ایک
ایسی تحریر نہ آتا رہے جسے ہم پڑھیں۔ اے محمد صلی اللہ
علیہ وسلم ان سے کہو، ”پاک ہے میرا پروردگار! کیا میں ایک
پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟“

معجزات کے مطالبے کا ایک جواب اسی سورہ کی آیت ۵۹ وَمَا هُنَّ عَمَّا أَنْ تُرْسِلَ بِالْآيَاتِ مِنْ كُرْ
چکا ہے۔ اب یہاں اسی مطالبے کا دوسرا جواب دیا گیا ہے۔ اس مختصر سے جواب کی بلاغت تعریف سے بالا تر ہے۔
مخالفین کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر تم پیغمبر ہو تو ابھی زمین کی طرف اشارہ کرو اور یکایک ایک چشمہ بھوٹ ہے۔ یا فوراً
ایک لہلہاتا باغ پیدا ہو جائے اور اس میں نہریں جاری ہو جائیں۔ آسمان کی طرف اشارہ کرو اور تمہارے جھٹلانے
والوں پر آسمان ٹکڑے ہو کر گر جائے۔ ایک پھونک مارو اور چشم زدن میں سونے کا ایک محل بن کر تیار ہو جائے۔
ایک آواز دو اور ہمارے سامنے خدا اور اس کے فرشتے فوراً اکھڑے ہوں اور وہ شہادت دیں کہ ہم ہی نے محمد صلی
اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ یا ہماری آنکھوں کے سامنے آسمان پر پڑھ کر جاؤ اور اللہ میاں سے ایک
خط ہمارے نام لکھو والا دے جسے ہم ہاتھ سے چھوئیں اور آنکھوں سے پڑھیں۔ ان لمبے چوڑے مطالبوں کا
بس یہ جواب دے کر چھوڑ دیا گیا کہ ”ان سے کہو، پاک ہے میرا پروردگار! کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان

۱۱ وہ جواب یہ تھا کہ جو معجزات کسی نبی کی دلیل نبوت کے طور پر پیش کیے گئے ہوں ان کو دیکھ کر بھی جب کوئی قوم نبی کو
جھٹلا دیتی ہے تو اس پر لازماً خدا کا عذاب نازل ہو جاتا ہے اور اس کی بکثرت مثالیں تاریخ میں گزر چکی ہیں۔ اب یہ سراسر
اللہ کی رحمت ہے کہ وہ ایسا کوئی معجزہ نہیں بھیج رہا ہے۔ مگر تم لوگ ایسے نادان ہو کہ اس کا مطالبہ کر رہے ہو۔

کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟ یعنی بیوقوفو! کیا میں نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا کہ تم یہ مطالبے مجھ سے کرنے لگے؟ میں نے تم سے کب کہا تھا کہ میں قادر مطلق ہوں؟ میں نے کب کہا تھا کہ زمین و آسمان پر میری حکومت چل رہی ہے؟ میرا دعویٰ تو اول روز سے یہی تھا کہ میں خدا کی طرف سے پیغام لانے والا ایک انسان ہوں۔ تمہیں جاننا ہے تو میرے پیغام کو جانچو۔ ایمان لانا ہے تو اس پیغام کی صداقت و معقولیت دیکھ کر ایمان لاؤ۔ انکار کرنا ہے تو اس پیغام میں کوئی نقص نکال کر دکھاؤ۔ میری صداقت کا اطمینان کرنا ہے تو ایک انسان ہونے کی حیثیت سے میری زندگی کو، میرے اخلاق کو، میرے کام کو دیکھو۔ یہ سب چھوڑ کر تم مجھ سے یہ کیا مطالبہ کرنے لگے کہ زمین بھاڑو اور آسمان گراؤ؟ آخر پیغمبری کا ان کاموں سے کیا تعلق ہے؟

یہ لوگ کہتے ہیں کہ "کیوں نہ اتاری گئیں اس

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ

شخص پر نشانیاں، یعنی معجزات، اس کے ب کی طرف سے؟

مِنْ سَمَائِهِمْ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ

اے نبی کہو "نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں بس ایک

عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ

صاف صاف خبردار کر دینے والا ہوں۔" اور کیا ان لوگوں کے

مُبِينٌ. أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا

لیے یہ (نشانی)، کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل

عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ

کی جو نہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟ درحقیقت اس

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ

میں رحمت ہے اور نصیحت ان لوگوں کے لیے جو ایمان

لِقَوْمٍ كَافِرِينَ

(العنکبوت ۵۰-۵۱) لاتے ہیں۔

یعنی اُمتی ہونے کے باوجود تم پر قرآن جیسی کتاب کا نازل ہونا۔ کیا یہ بجائے خود اتنا بڑا معجزہ نہیں ہے کہ تمہاری رسالت پر ایمان لانے کے لیے یہ کافی ہو؟ کیا اس کے بعد بھی کسی اور معجزے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ دوسرے معجزے تو جنہوں نے دیکھے اُن کے لیے وہ معجزے تھے۔ مگر یہ معجزہ تو ہر وقت تمہارے سامنے ہے۔ تمہیں آٹے دن پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ تم ہر وقت اسے دیکھ سکتے ہو۔

بلکہ ان میں سے تو ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اُس کے

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ

نام کھلے خط بھیجے جائیں۔ ہرگز نہیں، صل بات یہ ہے

أَنْ يُؤْتَىٰ مِنْهَا شَرْحًا. كَلَّا

کہ یہ آخرت کا خوف نہیں رکھتے۔ ہرگز نہیں، یہ تو ایک

بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ. كَلَّا

نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اس سے سبق

إِنَّهُ تَذَكُّرٌ. فَمَنْ شَاءَ

ذکر کا (المدثر - ۵۵ تا ۵۲) حاصل کر لے۔

یعنی یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اگر واقعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مقرر فرمایا ہے تو وہ مکہ کے ایک ایک سردار اور ایک ایک شیخ کے نام ایک خط لکھ کر بھیجے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ہمارے نبی ہیں، تم ان کی پیروی قبول کرو۔ اور یہ خط ایسے ہوں جنہیں دیکھ کر انہیں یقین آجائے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ لکھ کر بھیجے ہیں۔ ایک اور مقام پر قرآن مجید میں کفار مکہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "ہم نہ مانیں گے جب تک وہ چیز خود ہم کو نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے" (الانعام، ۱۱۲)۔ ایک دوسری جگہ ان کا یہ مطالبہ نقل کیا گیا ہے کہ "آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھیں اور وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب لاکر ہمیں دیں جسے ہم پڑھیں۔" (بنی اسرائیل - ۹۳)۔ جواب میں فرمایا گیا کہ ان کا یہ مطالبہ ہرگز پورا نہیں کیا جائے گا۔ ان کے ایمان لانے کی اصل وجہ یہ ہے ہی نہیں کہ ان کے ایسے مطالبے پورے نہیں کیے جاتے، بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ یہ آخرت سے بے خوف ہیں۔ انہوں نے سب کچھ اسی دنیا کو سمجھ رکھا ہے اور انہیں یہ خیال نہیں ہے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے جس میں ان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ اسی چیز نے ان کو دنیا میں بے فکر اور غیر ذمہ دار بنا دیا ہے۔ یہ حق اور باطل کے سوال کو سرے سے بے معنی سمجھتے ہیں، کیونکہ انہیں دنیا میں کوئی حق ایسا نظر نہیں آتا جس کی پیروی کا نتیجہ دنیا میں لازماً اچھا ہی نکلتا ہو، اور نہ کوئی باطل ایسا نظر آتا ہے جس کا نتیجہ دنیا میں ضرور بُرا ہی نکلا کرتا ہو۔ اس لیے یہ اس مسئلے پر غور کرنا حاصل سمجھتے ہیں کہ فی الواقع حق کیا ہے اور باطل کیا؟ یہ مسئلہ سنجیدگی کے ساتھ اگر قابل غور ہو سکتا ہے تو صرف اُس شخص کے لیے جو دنیا کی موجودہ زندگی کو ایک عارضی زندگی سمجھتا ہو اور یہ تسلیم کرے کہ اصل اور ابدی زندگی آخرت کی زندگی ہے جہاں حق کا انجام لازماً اچھا ہوگا اور باطل کا انجام لازماً بُرا ہوگا۔ ایسا شخص تو ان محقول دلائل اور ان پاکیزہ تعلیمات کو دیکھ کر ایمان لائے گا جو قرآن میں پیش کی گئی ہیں، اور اپنی عقل سے کام لے کر یہ سمجھنے کی کوشش کرے گا کہ قرآن جن عقائد اور اعمال کو غلط کہہ رہا ہے ان میں فی الواقع کیا غلطی ہے۔ لیکن آخرت کا منکر جو سرے سے تلاشِ حق میں سنجیدہ ہی نہیں ہے وہ ایمان لانے کے لیے آئے دن نئے نئے مطالبے پیش کرے گا، حالانکہ اس کا خواہ کوئی مطالبہ

لے سورہ انعام میں اس کا مختصر جواب یہ دیا گیا ہے کہ "اللَّهُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ" اللہ خود زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغمبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے۔

بھی پورا کر دیا جائے وہ انکار کرنے کے لیے کوئی دوسرا بہانہ ڈھونڈ نکالے گا۔ یہی بات ہے جو سورہ انعام میں فرمائی گئی ہے کہ "اے نبی! اگر تم تمہارے اُدپر کاغذ میں لکھی لکھائی کوئی کتاب بھی اتار دیتے اور لوگ اُسے اپنے ہاتھوں سے چھپو کر بھی دیکھ لیتے تو جنہوں نے حق کا انکار کیا ہے وہ یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے" (الانعام - ۱۰۰)۔

وَقَالُوا لَوْلَا اُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ
وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَقُضِيَ الْاَمْرُ لَكُمْ
لَا يَنْظُرُونَ ه وَ لَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا
لَجَعَلْنَاهُ سَآءَ جَلًا وَّلَلْبَسْنَا عَلَيْهِمْ
مَا يَلْبَسُونَ ه

وہ کہتے ہیں کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا
گیا؟ اگر کہیں مہم نے فرشتہ اتار دیا ہوتا تو اب تک کبھی کا
فیصلہ ہو چکا ہوتا، پھر انہیں کوئی مہلت نہ دی جاتی۔
اور اگر ہم فرشتے کو اتارتے تب بھی اسے انسانی شکل
میں اتارتے اور اس طرح انہیں اسی شبہ میں ڈال دیتے

(الانعام - ۸ - ۱۹) جس میں اب یہ مبتلا ہیں۔

ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ جب شیخس خدا کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے تو آسمان سے ایک فرشتہ اتارنا چاہیے تھا جو لوگوں سے کہتا کہ یہ خدا کا پیغمبر ہے، اس کی بات مانو ورنہ تمہیں سزا دی جائے گی۔ جاہل معترضین کو اس بات پر تعجب تھا کہ خالقِ ارض و سما کسی کو پیغمبر مقرر کرے اور پھر اس طرح اُسے بے یار و مددگار پتھر کھانے اور گالیاں سننے کے لیے چھوڑ دے۔ اتنے بڑے بادشاہ کا سفیر اگر کسی بڑے اسٹاف کے ساتھ نہ آیا تھا تو کم از کم ایک فرشتہ تو اس کی اردل میں دینا چاہیے تھا تاکہ وہ اس کی حفاظت کرتا، اس کا رعب بٹھاتا، اس کی ماموریت کا یقین دلاتا اور فوق الفطری طریقے سے اس کے کام انجام دیتا۔

اس کا پہلا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں بھیج دیا جاتا تو فیصلہ چکادینے کا وقت آجاتا اور پھر مہلت نہ دی جاتی۔ ایمان لانے اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لینے کے لیے جو مہلت تمہیں ملی ہوئی ہے یہ اسی وقت تک ہے جب تک حقیقت پر وہ غیب میں پوشیدہ ہے۔ ورنہ جہاں غیب کا پردہ چاک ہوا، پھر مہلت کا کوئی موقع باقی نہ رہے گا۔ اُس کے بعد تو صرف حساب ہی لینا باقی رہ جائے گا۔ اس لیے کہ دنیا کی زندگی تمہارے لیے ایک امتحان کا زمانہ ہے اور امتحان اس امر کا ہے کہ تم حقیقت کو دیکھے بغیر عقل و فکر کے صحیح استعمال سے اُس کا ادراک کرتے ہو یا نہیں اور ادراک کرنے کے بعد اپنے نفس اور اس کی خواہشات کو قابو میں لا کر اپنے عمل کو حقیقت کے مطابق درست رکھتے ہو یا نہیں۔ اس امتحان کے لیے غیب کا غیب رہنا شرطِ لازم ہے۔ اور تمہاری دنیوی زندگی جو دراصل مہلتِ امتحان ہے، اسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک غیب، غیب ہے۔

جہاں غیب شہادت میں تبدیل ہوا، یہ مہلت لازمًا ختم ہو جائے گی اور امتحان کے بجائے نتیجہ امتحان نکلنے کا وقت آ پہنچے گا۔ لہذا تمہارے مطالبہ کے جواب میں یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہارے سامنے فرشتے کو اس کی اصلی صورت میں نمایاں کر دیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ابھی تمہارے امتحان کی مدت ختم نہیں کرنا چاہتا۔

اس کے بعد دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر فرشتہ انسانی صورت میں آتا تو تمہیں وہی شبہات لاحق ہوتے جو اب نبی کے بارے میں لاحق ہو رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ فرشتے کے آنے کی ایک صورت یہ ہو سکتی تھی کہ وہ لوگوں کے سامنے علانیہ اپنی اصلی غیبی صورت میں ظاہر ہوتا۔ لیکن اوپر بتا دیا گیا ہے کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ اب دوسری صورت یہ باقی رہ گئی کہ وہ انسانی صورت میں آئے۔ اس کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ اگر وہ انسانی صورت میں آئے تو اس کے مامور من اللہ ہونے میں بھی تم کو وہی اشتباہ پیش آئے گا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مامور من اللہ ہونے میں پیش آ رہا ہے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس دینی پر اس کے رب کی طرف

سے کوئی نشانی (یعنی محسوس معجزہ) کیوں نہیں اتاری گئی؟

ان سے کہو کہ اللہ نشانی اتارنے کی پوری قدرت رکھتا ہے

مگر ان میں سے اکثر لوگ نادانی میں مبتلا ہیں۔ زمین میں چلنے

والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے کسی

پرندے کو دیکھ لو۔ یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں۔

ہم نے ان کی تقدیر کے نوشتے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

پھر یہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جاتے ہیں مگر جو لوگ ہماری

آیات کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے گونگے بنے تارکیوں میں

پڑے ہوئے ہیں۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن

رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ

أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ

لَا يَعْلَمُونَ ۚ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي

الْأَرْضِ وَلَا طَيْرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ

إِلَّا أَمَّهُمْ أَمْثَلُكُمْ ۗ مَا فَزَّطْنَا فِي

الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ آتَيْنَاهُمُ

يُحْشَرُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا

صَهُمٌ وَأَمْثَلُكُمْ فِي الظُّلُمَاتِ ۗ

الانعام - ۳۷ - ۳۹

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ معجزہ نہ دکھانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ اس کے دکھانے پر قادر نہیں ہے بلکہ

اس کی وجہ کچھ اور ہے جسے تم لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے نہیں سمجھ رہے ہو۔ اگر تمہیں محض تماش بینی کا شوق نہیں ہے

بلکہ فی الواقع یہ معلوم کرنے کے لیے نشانی دیکھنا چاہتے ہو کہ یہ نبی جس چیز کی طرف بلا رہا ہے وہ امرِ حق ہے یا نہیں،

تو آنکھیں کھولی کر دیکھو، تمہارے گرد و پیش ہر طرف نشانیاں ہی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ زمین کے جانوروں اور

ہوا کے پزندوں کی کسی ایک نوع کو لے کر اس کی زندگی پر غور کرو۔ کس طرح اُس کی ساخت ٹھیک ٹھیک اُس کے مناسب حال بنائی گئی ہے۔ کس طرح اس کی جہت میں اُس کی فطری ضرورتوں کے عین مطابق قوتیں ودلیعت کی گئی ہیں۔ کس طرح اس کی رزق رسانی کا انتظام ہو رہا ہے۔ کس طرح اس کی ایک تقدیر مقرر ہے جس کے حدود سے نہ وہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔ کس طرح ان میں سے ایک ایک جانور اور ایک ایک چھوٹے سے چھوٹے کیڑے کی اُسی مقام پر جہاں وہ ہے خبر گیری، نگرانی، حفاظت اور رہنمائی کی جا رہی ہے۔ کس طرح اس سے ایک مقرر اسکیم کے مطابق کام لیا جا رہا ہے۔ کس طرح اسے ایک ضابطہ کا پابند بنا کر رکھا گیا ہے۔ اور کس طرح اس کی پیدائش، تناسل اور موت کا سلسلہ پوری باقاعدگی کے ساتھ چل رہا ہے۔ اگر خدا کی بیشمار نشانیوں میں سے صرف اسی ایک نشانی پر غور کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ خدا کی توحید اور اس کی صفات کا جو تصور یہ پیغمبر تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے اور اس تصور کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے جس رویہ کی طرف تمہیں دعوت دے رہا ہے وہ عین حق ہے۔ لیکن تم لوگ نہ خود اپنی آنکھیں کھول کر دیکھتے ہو نہ کسی سمجھانے والے کی بات سنتے ہو۔ جہالت کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہو اور چاہتے ہو کہ عجائبِ قدرت کے کرشمے دکھا کر تمہارا دل پہلا یا جائے۔

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ
أَوْ قَطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ مِنْ أَوْكِلِهِمْ
بِهِ الْمَوْتَىٰ (الرعد - ۳۱) مُردے قبروں سے نکل کر بولنے لگتے؟

اس آیت کو سمجھنے کے لیے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس میں خطاب کفار سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہے۔ مسلمان جب بار بار کفار کی طرف سے نشانی کا مطالبہ سنتے تھے تو ان کے دلوں میں بے چینی پیدا ہوتی تھی کہ کاش: ان لوگوں کو کوئی ایسی نشانی دکھا دی جاتی جس سے یہ لوگ قائل ہو جاتے۔ پھر جب وہ محسوس کرتے تھے کہ اس طرح کی کسی نشانی کے نہ آنے کی وجہ سے کفار کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق لوگوں کے دلوں میں شبہات پھیلانے کا موقع مل رہا ہے تو ان کی بے چینی اور بھی زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ اس پر مسلمانوں سے فرمایا گیا کہ اگر قرآن کی کسی سورت کے ساتھ ایسی اور ایسی نشانیاں لیکالیک دکھا دی جاتیں تو کیا واقعی تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ لوگ ایمان لے آتے؟ کیا تمہیں ان سے یہ خوش گمانی ہے کہ یہ قبولِ حق کے لیے بالکل تیار بیٹھے ہیں، صرف ایک نشانی کے ظہور کی کسر ہے؟ جن لوگوں کو قرآن کی تعلیم میں، کائنات کے آثار میں، نبی کی پاکیزہ زندگی میں، اصحابِ نبیؐ

کے انقلابِ حیات میں نورِ حق نظر نہ آیا کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ پہاڑوں کے چلنے اور زمین کے مچلنے اور مردوں کے قبروں سے نکل آنے میں کوئی روشنی پالیں گے؟

حضور کی رسالت کا صریح ثبوت | اس طرح کفار نے جتنے بھی الزامات و اعتراضات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کیے اور اُس کا ثبوت مانگنے کے لیے جتنے بھی معجزات دکھانے کے مطالبات کیے، ان میں سے ایک ایک کا نہایت معقول جواب دے کر یہ گنجائش باقی نہیں رہنے دی گئی کہ کوئی شخص عقل و استدلال کی بنیاد پر آپ کی رسالت کو مشتبہ ثابت کر سکتا۔ پھر تین ایسے صریح ثبوت آپ کی رسالت کے حق میں پیش کیے گئے جن سے مکہ اور اس کے اطراف میں رہنے والے کسی شخص کے لیے انکار ممکن نہ تھا۔ ذیل میں ہم ان کو سلسلہ وار درج کرتے ہیں:

وَمَا كُنْتُمْ تَلُوْنَ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ
كِتَابٍ وَلَا تَخْتَطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذْ
أَنْزَلْنَا مِنَ الْمُبْطِلُونَ الْعَنْكَبُوتَ - ۷۸

اے نبی! تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے
اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست
لوگ شک میں پڑھ سکتے تھے۔

اس آیت میں استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان پڑھتے تھے۔ آپ کے اہل وطن اور رشتہ و برادری کے لوگ، جن کے درمیان روزِ پیدائش سے سین کھولت کو پہنچنے تک آپ کی ساری زندگی بسر ہوئی تھی، اس بات سے خوب واقف تھے کہ آپ نے عمر بھر نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی، نہ قلم ہاتھ میں لیا۔ اس امر واقعہ کو پیش کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ کتبِ آسمانی کی تعلیمات، انبیاءِ سابقین کے حالات، مذاہب و ادیان کے عقائد، قدیم قوموں کی تاریخ، اور تمدن و اخلاق و معیشت کے اہم مسائل پر جس وسیع اور گہرے علم کا اظہار اس امتی کی زبان سے ہو رہا ہے یہ اُس کو وحی کے سوا کسی دوسرے ذریعے سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر اس کو نوشت و خواند کا علم ہوتا اور لوگوں نے اسے کبھی کتابیں پڑھتے اور مطالعہ و تحقیق کرنے دیکھا ہوتا تو باطل پرستوں کے لیے یہ شک کرنے کی کچھ بنیاد ہو بھی سکتی تھی کہ یہ علم وحی سے نہیں بلکہ اخذ و اکتساب سے حاصل کیا گیا ہے۔ لیکن اُس کی اُمتیت نے تو ایسے کسی شک کے لیے برائے نام بھی کوئی بنیاد باقی نہیں چھوڑی ہے۔ اب خالص ہٹ دھرمی کے سوا اُس کی نبوت کا انکار کرنے کی اور کوئی وجہ نہیں ہے جسے کسی درجہ میں بھی معقول کہا جاسکتا ہو۔

قُلْ نَوَشَاءُ اللَّهُ مَا تَلَوْتُمْ
عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرِيكُمْ بِهِ فَقَدْ

اے نبی! ان سے کہو کہ اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی
دک میں نبی نہ بنایا جاؤں، تو میں یہ قرآن تمہیں کبھی نہ سناتا اور

لِئْتُمْ فِيكُمْ عَمْرًا مِّنْ قَبْلِهِ ۗ
 أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

اللہ تمہیں اس کی خبر تک نہ دیتا۔ آخر اس سے پہلے میں
 ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے

(یونس-۱۶) کام نہیں لیتے؟

یہ ایک زبردست دلیل ہے کفار مکہ کے اس خیال کی تردید میں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو خود اپنے دل سے
 گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں، اور حضور کے اس دعوے کی تائید میں کہ آپ خود اس کے مصنف نہیں ہیں بلکہ
 یہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ان پر نازل ہو رہا ہے۔ دوسرے تمام دلائل تو بہت دور کی چیز تھیں، مگر محمد صلی
 اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو ان لوگوں کے سامنے کی چیز تھی۔ آپ نے نبوت سے پہلے پورے چالیس سال ان کے
 درمیان گزارے تھے۔ ان کے شہر میں پیدا ہوئے، ان کی آنکھوں کے سامنے بچپن گزارا، جوان ہوئے، ادھیڑ
 عمر کو پہنچے۔ رہنا سہنا، ملنا جلنا، لین دین، شادی بیاہ، غرض ہر قسم کا معاشرتی تعلق انہی کے ساتھ تھا اور آپ
 کی زندگی کا کوئی پہلو ان سے چھپا ہوا نہ تھا۔ ایسی جانی بوجھی اور دیکھی بھالی چیز سے زیادہ کھلی شہادت اور
 کیا ہو سکتی تھی۔

آپ کی اس زندگی میں دو باتیں بالکل عجیب تھیں جنہیں مکہ کے لوگوں میں سے ایک ایک شخص جانتا تھا:
 ایک یہ کہ نبوت سے پہلے کی پوری چالیس سالہ زندگی میں آپ نے کوئی ایسی تعلیم، تربیت اور صحبت نہیں پائی
 جس سے آپ کو یہ معلومات حاصل ہوتی جن کے چشمے یکا یک دعوائے نبوت کے ساتھ ہی آپ کی زبان سے بھوٹنے
 شروع ہو گئے۔ اس سے پہلے کبھی آپ ان مسائل سے دلچسپی لیتے ہوئے، ان مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے، اور ان
 خیالات کا اظہار کرتے ہوئے نہیں دیکھے گئے جو اب قرآن کی ان پے در پے سورتوں میں زیر بحث آ رہے تھے۔ حدیث
 ہے کہ اس پورے چالیس سال کے دوران میں کبھی آپ کے کسی گہرے دوست اور کسی قریب ترین رشتہ دار نے بھی
 آپ کی باتوں اور آپ کی حرکات و سکنات میں کوئی ایسی چیز محسوس نہیں کی جسے اُس عظیم الشان دعوت کی تمہید
 کہا جاسکتا ہو جو آپ نے اچانک چالیسویں سال کو پہنچ کر دینی شروع کر دی۔ یہ اس بات کا صریح ثبوت تھا کہ
 قرآن آپ کے اپنے دماغ کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ خارج سے آپ کے اندر آئی ہوئی چیز ہے۔ اس لیے کہ انسانی دماغ
 اپنی عمر کے کسی مرحلے میں بھی ایسی کوئی چیز پیش نہیں کر سکتا جس کے نشوونما اور ارتقاء کے واضح نشانات اُس سے پہلے
 کے مرحلوں میں نہ پائے جاتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ کے بعض چالاک لوگوں نے جب خود محسوس کر لیا کہ قرآن کو
 آپ کے دماغ کی پیداوار قرار دینا صریح طور پر ایک لغو الزام ہے تو آخر کو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کوئی

اور شخص ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کو یہ باتیں سکھا دیتا ہے۔ لیکن یہ دوسری بات پہلی بات سے بھی زیادہ لغو تھی۔ کیونکہ مکہ نو درکنار پورے عرب میں کوئی اس قابلیت کا آدمی نہ تھا جس پر انکل رکھ کر کہہ دیا جاتا کہ یہ اس کلام کا مصنف ہے یا ہو سکتا ہے۔ ایسی قابلیت کا آدمی کسی سوسائٹی میں چھپا کیسے رہ سکتا ہے۔

دوسری بات جو آپ کی سابق زندگی میں بالکل نمایاں تھی، وہ یہ تھی کہ جھوٹ، فریب، جعل، مکاری، عیاری اور اس قبیل کے دوسرے اوصاف میں سے کسی کا ادنیٰ شائبہ تک آپ کی سیرت میں پایا جانا نہ تھا۔ پوری سوسائٹی میں کوئی ایسا نہ تھا جو یہ کہہ سکتا ہو کہ اس چالیس سال کی یحییٰ معاشرت میں آپ سے کسی ایسی صفت کا تجربہ اُسے ہوا ہے۔ برعکس اس کے جن جن لوگوں کو بھی آپ سے سابقہ پیش آیا تھا وہ آپ کو ایک نہایت سچے، بے باغ، اور قابل اعتماد امین، انسان کی حیثیت ہی سے جانتے تھے۔ اب یہ گمان کرنے کی کیا گنجائش تھی کہ جس شخص نے تمام عمر کبھی اپنی زندگی کے کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں بھی جھوٹ، جعل اور فریب سے کام نہ لیا تھا وہ یکا یک اتنا بڑا جھوٹ اور ایسا عظیم الشان جعل و فریب لے کر اٹھ کھڑا ہو کہ اپنے ذہن سے کچھ باتیں تصنیف کیں اور ان کو پورے زور اور شجاعت کے ساتھ خدا کی طرف منسوب کرنے لگا۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے اس بیہودہ الزام کے جواب میں ان سے کہو کہ اللہ کے بندو، کچھ عقل سے تو کام لو۔ میں کوئی باہر سے آیا ہوا اجنبی آدمی تو نہیں ہوں، تمہارے درمیان ایک عمر اس سے پہلے گزار چکا ہوں۔ میری سابق زندگی کو دیکھتے ہوئے تم کیسے یہ توقع مجھ سے کر سکتے ہو کہ میں خدا کی تعلیم اور اس کے حکم کے بغیر یہ قرآن تمہارے سامنے پیش کر سکتا تھا؟

وَمَا كُنْتُمْ تَرْجَوْنَ أَنْ يُبَلِّغَ إِلَيْكُمْ

الْكِتَابَ إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكُمْ

اور اے نبی، تم اس بات کے ہرگز امیدوار نہ تھے کہ

تم پر کتاب نازل کی جائے گی۔ یہ تو محض تمہارے رب کی مہربانی

ہے کہ یہ تم پر نازل ہوئی ہے۔ (القصص - ۸۶)

یہ ایک اور دلیل تھی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں پیش کی گئی۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام بالکل بے خبر تھے کہ انہیں نبی بنا یا جانے والا ہے اور ایک عظیم الشان مشن پر وہ مامور کیے جانے والے ہیں، ان کے حاشیہ خیال میں بھی اس کا ارادہ یا خواہش نو درکنار اس کی توقع تک کبھی نہ گزری تھی، بس یکا یک راہ چلتے انہیں کھینچ بلایا گیا اور نبی بنا کر وہ عبرت انگیز کام ان سے لیا گیا جو ان کی سابق زندگی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا، ٹھیک ایسا ہی معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ مکہ کے لوگ خود جانتے تھے کہ غار حرا سے جس وز آپ نبوت کا پیغام لے کر اترے اس سے ایک دن پہلے تک آپ کی زندگی کیا تھی، آپ کے مشاغل کیا تھے، آپ کی بات چیت کیا تھی، آپ کی گفتگو کے موضوعات کیا تھے، آپ کی دلچسپیاں اور مرگرمیاں کس نوعیت کی تھیں۔ یہ پوری زندگی

صداقت، دیانت، امانت اور پاکبازی سے لبریز ضرور تھی۔ اس میں انتہائی شرافت، امن پسندی، پاسِ عہد، ادائے حقوق اور خدمتِ خلقی کا رنگ بھی غیر معمولی شان کے ساتھ نمایاں تھا۔ مگر اس میں کوئی چیز ایسی موجود نہ تھی جس کی بناء پر کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ خیال گزر سکتا ہو کہ یہ نیک بندہ کل نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھنے والا ہے۔ آپ سے قریب ترین رُبط رکھنے والوں میں، آپ کے شہدے داروں، ہمسایوں اور دوستوں میں کوئی شخص یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ آپ پہلے سے نبی بننے کی تیاری کر رہے تھے۔ کسی نے ان مضامین اور مسائل اور موضوعات کے متعلق کبھی ایک لفظ تک آپ کی زبان سے نہ سنا تھا جو غارِ حرا کی اُس انقلابی ساعت کے بعد لیکر آپ کی زبان پر جاری ہونے شروع ہو گئے۔ کس نے آپ کو وہ مخصوص زبان اور وہ الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرتے نہ سنا تھا جو اچانک قرآن کی صورت میں لوگ آپ سے سننے لگے۔ کبھی آپ وعظ کہنے کھڑے نہ ہونے تھے۔ کبھی کوئی دعوت اور تحریک لے کر نہ اٹھے تھے۔ بلکہ کبھی آپ کی کسی سرگرمی سے یہ گمان تک نہ ہو سکتا تھا کہ آپ اجتماعی مسائل کے حل، یا مذہبی اصلاح، یا اخلاقی اصلاح کے لیے کوئی کام شروع کرنے کی فکر میں ہیں۔ اُس انقلابی ساعت سے ایک دن پہلے تک آپ کی زندگی ایک ایسے ناجر کی زندگی نظر آتی تھی جو سیدھے سادھے جائز طریقوں سے اپنی روزی کما تا ہے، اپنے بال بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہتا ہے، ہمہ انوں کی تواضع، غریبوں کی مدد اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا ہے، اور کبھی کبھی عبادت کرنے کے لیے خلوت میں جا بیٹھتا ہے۔ ایسے شخص کا لیکر ایک ایک عالمگیر زلزلہ ڈال دینے والی خطابت کے ساتھ اٹھنا، ایک انقلاب انگیز دعوت شروع کر دینا، ایک نرال لٹریچر پیدا کر دینا، ایک مستقل فلسفہ حیات اور نظامِ فکر و اخلاق و تمدن لے کر سامنے آجانا، اتنا بڑا تغیر تھا جو انسانی نفسیات کے لحاظ سے کسی بناوٹ اور تیاری اور ارادی کوشش کے نتیجے میں قطعاً رونما نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے کہ ایسی ہر کوشش اور تیاری بہر حال تدریجی ارتقا کے مراحل سے گزرتی ہے اور یہ مراحل ان لوگوں سے کبھی مخفی نہیں رہ سکتے جن کے درمیان آدمی شب و روز زندگی گزارتا ہو۔ اگر آنحضرتؐ کی زندگی ان مراحل سے گزری ہوتی تو مکہ میں سینکڑوں زبانیں یہ کہنے والی ہوتیں کہ ہم نہ کہتے تھے کہ یہ شخص ایک دن کوئی بڑا دعویٰ لے کر اٹھنے والا ہے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ کفار مکہ نے آپ پر ہر طرح کے اعتراضات کیے، مگر یہ اعتراض کرنے والا ان میں سے کوئی ایک شخص بھی نہ تھا۔

پھر یہ بات کہ آپ خود بھی نبوت کے خواہش مند، یا اس کے لیے متوقع اور منتظر نہ تھے، بلکہ پوری بے خبری کی حالت میں اچانک آپ کو اس معاملہ سے سابقہ پیش آگیا، اس کا ثبوت اُس واقعہ سے ملتا ہے جو احادیث میں آغاز وحی کی کیفیت کے متعلق موجود ہے۔ (چونکہ اس سے پہلے ہم "آغاز رسالت" کے باب میں اس کی تفصیل درج کر چکے ہیں، اس لیے یہاں اس کے اعادے کی حاجت نہیں ہے)۔